ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

زارا کرن

پی ایچ ڈی سکالر، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ

ڈاکٹر محمد افضال بٹ

صدرِ شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ

اردو ادب میں عورت کی بازیافت: تانیثی تنقید کے تناظر میں ایک اجمالی جائزہ

Zara Kiren *
PhD Scholar, Government College Women University Sialkot.
Dr. Muhammad Afzal Butt
Head of Urdu Department, Government College Women University Sialkot.

***Corresponding Author:** zarawasim.zk@gmail.com

The Reclamation of Women in Urdu Literature: A Feminist Critique –An Overview

This research paper explores the representation of women in Urdu Literature through a feminist lens. This study critically examine how female have been depicted across various literary genres including fiction, poetry, drama, and novels. This research examines the critical perspective of feminist critics on the evolution of female narratives highlighting the shift in literary discourse that challenges the gender biases. By analyzing key feminist interpretation, study sheds light on how Urdu literature has responded to socio-cultural changes and the feminist movement. The findings reveal that while progress has been made in redefining women’s capacity and power to make choices, take action and influence their own life and surrounding in literature, there remains a persistent struggle against entrenched stereotypes. This study contributes to the ongoing discussion on gender representation in Urdu literature, emphasizing the need for a more equitable literary framework that represents diverse voices,

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09

ماخذ تحقیقی مجلہ

perspective and experiences so that all genders feel acknowledged and valued.

Key Words: *Reclamation, Urdu Literature, Feminist, Critique, depicted.*

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے ابتدائی ادوار میں ایک طویل دورانیے تک عورت غالب اور بالا دست رہی۔ مادر سری نظام کی بدولت عورت سماجی ڈھانچے کی معمار، روحانی قیادت کی سرخیل، سیاسی قیادت کی مشعل بردار اور معاشی استحکام تک کی امین تھی۔ تاہم گردشِ دوراں کے سبب وہی عورت جو کبھی نظامِ حیات کی اساس تھی، سماجی ،ثقافتی، سیاسی، مذہبی اور معاشی جبر کے بوجھ تلے دبتی چلی گئی۔وہ صنفی تفریق جو خالق کائنات کے فطری توازن کا مظہر تھی، بتدریج سماجی، سیاسی، معاشی، اور اقتصادی تفریق میں ڈھل گئی۔پدر سری سماج میں عورت ایک صنف کی بجائے ثانوی درجے میں بدل دی گئی جس کے وجود، اختیار اور شناخت پر مردوں کی اجارہ داری تھی۔عورت کی انسانی حیثیت کو مزید کمزور کرتے ہوئے اسے ایک ایسی چیز سمجھا گیا جسے خریدا، بیچا اور استعمال کیا جا سکتا تھا۔مگر یہ سب کیسے شروع ہوا اور سماج میں عورت کی ایک مجہول، گم شدہ اور تباہ حال حیثیت کیسے ممکن ہوئی ؟اس ضمن میں ممتاز فرانسیسی فلسفی، ادیبہ اور تانیثی نظریات کی بنیاد گزار سائمن دی بوائر لکھتی ہیں کہ:

> "How did all this begin? It is easy to see that the duality of the sexes, like any duality, gives rise to conflict. And doubt- less the winner will assume the status of absolute. But why should man have won from the start? It seems possible that women could have won the victory; or that the outcome of the conflict might never have been decided. How is it that this world has always belonged to the men and that things have begun to change only recently? Is this change a good thing? Wil it bring about an equal sharing of the world between men and women?"(۱)

مادر سری نظام سے پدر سری نظام کی یہ تبدیلی محض سیاسی نہیں بلکہ ایک پیچیدہ معاشرتی ڈھانچے کا نتیجہ تھی، جس میں مردوں نے اس نظام کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھالا اور عورت کو نہ صرف جسمانی طور پر محدود کیا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09

بلکہ سماجی، معاشی اور فکری ہر ایک سطح پر ایک ایسے طبقے میں تبدیل کیا جو مسلسل دباؤ، تحقیر اور عدم مساوات کا شکار رہا۔ تانیثی تنقید کا اصل مقصد اسی جبری نظام کو کھولنا اور اس کے پنہاں صنفی استحصال کو بے نقاب کرنا ہے۔ تانیثی تنقید ادبی دنیا میں ان روایتی تصورات اور نظریات کو چیلنج کرتی ہے جو صنفی تعصبات پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ نہ صرف عورت کے حقوق بلکہ پورے معاشرتی نظام میں تبدیلی کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا تنقیدی نقطہ نظر ہے جو یہ جائزہ لیتا ہے کہ ادبی متون میں عورت کے کردار کو کس انداز سے پیش کیا گیا ہے اور یہ پیشکش پدر سری بالادستی کے زیر اثر ہے یا نہیں۔

تانیثیت کا مقصود ایک ایسے معاشرتی نظام کی تشکیل ہے جہاں مرد اور عورت کے مابین تخصیص نہ ہو اور ہر دو اجناس کو یکساں مواقع اور حقوق میسر ہوں۔ ایسا سماج جہاں پر عورتوں کی انفرادی حیثیت کو تسلیم کیا جائے اور ان کی ہمہ جہت ترقی کی راہیں کھل سکیں تاہم پاکستان جیسے مرد اساس معاشروں میں بالعموم مرد کو برتر اور عورت کو کم تر گردانتے کا رجحان ہے۔ اس پدر سری نظام کی کارفرمائی نے عورت کو ہر اعتبار سے مغلوب رکھا ہے۔ پاکستانی تہذیب وثقافت کے ہر پہلو پر اس رجحان کے نمایاں اثرات دیکھے جاسکتے ہیں اور اس کی جھلک اردو ادب میں بھی ہویدا ہے۔ پدر سری سماج نے اول تو عورتوں کو لکھنے پڑھنے کے مواقع ہی کم فراہم کیے، اس پر بھی اگر کوئی عورت مروجہ اصول کے برعکس پڑھنے لکھنے کی جسارت کرلیتی تو اس کی تخلیقی کاوشوں کو "ادنیٰ درجے" کی ذیل میں رکھ کر پیش کیا جاتا۔ اس طرح سے اردو خواتین لکھاریوں کی ان ارتقائی پیش قدمیوں کو بھی پیچھے دھکیل دیا گیا یعنی زندگی اور ادب دونوں میدانوں میں عورت کا ایک ثانوی اور کم تر تصور اجاگر کیا گیا۔

تانیثیت گزاروں نے جب خواتین کے استحصال کے خلاف جدوجہد شروع کی تو ان کا موثر ہتھیار قلم ہی بنا۔ تانیثی تنقید کی منشاء چونکہ خواتین سے متعلق ان تعصبات اور مسائل کو زیر بحث لانا ہے جو "عورت" ہونے کی پاداش میں اس کی ذات سے منتھی ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس نظریے کے تحت جب مختلف ادب پاروں کا تانیثی تجزیہ کیا گیا تو یہ سامنے آیا کہ بیش تر ادبی تخلیقات میں عورت کے تصور کی مسخ صورت کا ہی بیان تھا۔ اردو ادب میں عورت یا تو مثالی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی (اصغری ٹائپ) کے روپ میں ایک کمزور اور محتاج وجود کے طور پر پیش کی گئی تھی جس کی زندگی کا مقصد مرد کی خدمت اور خوشنودی کا حصول تھا دوسری طرف اپنے لیے جینے والی اور اپنے حق کے لیے آواز بلند کرنے والی عورت کو بدسلیقہ، بدمزاج (اکبری ٹائپ) کے طور پر پیش کیا گیا، جو پدر سری معاشرتی اقدار کے مطابق "اچھی عورت" کے سانچے کے بموجب نہ تھی۔ یعنی ہر دو صورتوں میں اردو ادب میں عورت کو یا تو مثالی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09
ماخذ تحقیقی مجلہ

اور فرمانبردار وجود بنا کر یا پھر اسے ایک باغی اور غیر مثالی کردار کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ عورت کے حوالے سے ادب میں پائے جانے والے ان دو انتہائی ٹائپ کرداروں کے متعلق سعدیہ خلیل لکھتی ہیں:

" یہ دو کردار نہیں بلکہ دو پیمانے ہیں جس کے ذریعے عورت کے کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک طرف اصغری ہے جو سلیقہ شعار ہے اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جس کی کوئی مرد خواہش کرتا ہے۔ اس عہد کی مشرقی روایات اور اقدار کے مطابق اصغری کا کردار سب سے اچھا ہے۔ وہ جب تک میکے میں ہے اپنے ماں باپ کے لیے باعث آرام ہے۔ سسرال جا کر بھی اپنی خوبیوں کی بدولت ہر دلعزیز ہے۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اصغری کی ساری سوچ اور توجہ کا مرکز اس کا گھر ہے۔ اس کی خوشی اس کے گھر والوں تک محدود ہے۔ دوسری طرف اس کی بہن اکبری کا کردار ہے جو گھریلو ذمہ داریوں سے نالاں ہے۔ اور وہ صرف اپنی ذات کے حوالے سے خواہشات کی تکمیل کی خواہشمند ہے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو اکبری کا کردار اپنی ذات کا ادراک رکھتا ہے۔ اسکی الٹی سیدھی حرکتوں کے قطع نظر اسکی اپنی ذات کا شعور اسکے ہاں گہرا دکھائی دیتا ہے۔ اسکا جو دل))ہے جس کو اس عہد کے معاشرے کے تمام مرد وزن ستائش کی نظر سے دیکھتے ہیں۔"[۲]

Role Model چاہتا ہے وہ وہی کرتی ہے۔ جبکہ اصغری ایک ایسا رول ماڈل

تانیثی تنقید نے ان روایتی ادبی تصورات کو چیلنج کیا اور عورت کی ذات کو ایک آزاد، خود مختار اور بااختیار وجود کے طور پر دیکھنے اور پیش کرنے کی کوشش کی۔ تانیثی تنقیدی رجحان نے نہ صرف ادب میں عورت کے کردار کو نئے زاویوں سے دیکھنے کی راہ ہموار کی بلکہ معاشی طور پر بھی خواتین کے حقوق اور ان کی ترقی کے لیے آواز بلند کی۔ تانیثی تنقید نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ادب اور سماج دونوں میں عورت کے حقیقی تصور کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسے اس کی حقیقی شناخت اور مقام سے نوازا جا سکے۔ اردو ادب میں اس خوش آئند امکان کے حوالے سے فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں:

" عورتوں کی جانب ادیبوں کا رویہ نسلی، قومی اور طبقاتی نابینائی کی ہی ایک توسیع ہے۔ اردو ادب پر یہ اول تا آخر مسلط نہیں ہے۔ مثلاً آگے چل کر کسی محقق کے لیے یہ بہت دلچسپ اور معنی خیز مطالعہ ہو سکتا ہے کہ اردو کی داستانوں میں نسوانی کرداروں کو کس انداز میں پیش

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09
ماخذ تحقیقی مجلہ

کیا گیا ہے۔۔ ہمیں یہ استدلال و یقین ہے کہ مغربی اور کچھ ملائی رجعت پرستوں کے پروپیگنڈے کے برعکس روشن خیالی اور خواتین جانب مساوی رویے کی لہریں برصغیر کے مسلمانوں کے تاریخی ورثے کا اہم اور ناگزیر حصہ ہیں۔"(۳)

تانیثی رجحان کے زیر اثر اردو ادب کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مغرب کی نسبت اردو ادب میں یہ رجحان بہت بعد میں شروع ہوا۔ پاکستانی سماج اگرچہ خواتین کے مسائل اور حقوق سے انکاری نہیں ہے اور یہاں خواتین کے مسائل و حقوق کی بابت لکھنے لکھانے والوں میں مرد ادیب بھی شامل ہیں تاہم وہ ادب جو خواتین نے تخلیق کیا اور انھوں نے جس طرح اپنی تخلیقات میں خواتین سے متعلق خیالات اور مسائل پر اظہارِ خیال کیا ان میں واضح تفاوت ہے۔ اس حوالے سے فاطمہ حسن لکھتی ہیں:

" ہمارے سماج میں عمومی طور پر عورت کے مساوی حقوق سے انکار نہیں کیا جاتا مگر ہر سطح پر سماجی رویے اس کی مساوی حیثیت کو رد کرتے رہے ہیں جو بحیثیت باشعور انسان اسے حاصل ہوئی چاہیے۔ اس مقام سے نسائی ادب کا آغاز ہوتا ہے۔ نسائی ادب کو سمجھنے کے لیے جانب دار ناقدین کو یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ نسائی تخلیق کار بہت واضح طور پر کہتی رہی ہیں کہ ہم وہ نہیں لکھ رہی ہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں کیوں کہ ہم وہ نہیں جو آپ نے اب تک سمجھا ہے۔ چناں چہ نسائی ادب کو تنقید کے ڈھلے ڈھلائے سانچے پر رکھ کر یا اُس ترازو پر تول کر جانچا نہیں جا سکتا، جس پر مفروضات کا باٹ رکھا ہو۔ آج کے بدلتے ہوئے پیراڈائم میں عورت کی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی تحریر کو اس سطح پر سمجھنے کی ضرورت ہے جہاں وہ پورے شعور و ادراک کے ساتھ موجود ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تاریخی، سماجی اور نفسیاتی عوامل تحریر تخلیق پر اثر انداز نہ ہور ہے ہوں؟" (۴)

علاوہ ازیں ابتدائی تخلیق کاروں اور ناقدین کے تانیثی رجحانات اور بعد میں آنے والے ادباء اور ناقدین کے تانیثی رجحانات میں بھی فرق ضرور موجود ہے ۔ تانیثی تنقیدی زاویے سے اردو افسانہ نگاری کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ بیشتر افسانہ نگاروں کی تخلیقات میں عورت محض ایک روائتی کردار کے طور پر ابھرتی ہے جس کا وجود چاردیواری، خاندان، گھریلو ذمہ داریوں اور مرد کی خواہش کی تکمیل تک محدود رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض ایسے مرد افسانہ نگار جو عورت کے ساتھ روا رکھے جانے والے مظالم پر نوحہ کناں نظر آتے ہیں وہ بھی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09

ماخذ تحقیقی مجلہ

پدر سری نظام کے پروردہ تصورات کو چیلنج کرنے کی بجائے اس کے حامی ہی ثابت ہوئے۔ ان کی قلم سے ٹپکنے والے آنسو عورت کی حالتِ زار پر گریہ تو کرتے ہیں تاہم یہ آنسو اس جبری ڈھانچے میں تبدیلی کی سفارش نہیں کرتے۔ عزیز احمد ہوں یا پھر راجندر سنگھ بیدی ان مرد افسانہ نگاروں نے عورت کے اس روپ کو نمایاں کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی جہاں وہ محض ایک تابع کردار نہیں بلکہ نفسیاتی اور سماجی جبر کا شکار بھی ہے، اس کے تجربات، احساسات مردانہ نقطہ نظر کے آئینے میں سے منعطف ہو کر سامنے آتے ہیں، جہاں اس کا شعوری وجود معدوم ہو جاتا ہے اور اس کی شناخت محض بیوی، معشوقہ، طوائف یا مظلوم عورت جیسے جامد کرداروں تک مقید کر دی جاتی ہے۔ راجندر سنگھ بیدی کے تخلیق کردہ نسوانی کرداروں کے متعلق فاطمہ حسن لکھتی ہیں:

> " اگرچہ بیدی نسوانی کرداروں کو بڑی ہمدردی اور سوز کے ساتھ لکھتے ہیں، ان کا انداز تحریر اور رویہ دردمندانہ ہوتا ہے بلکہ اس حد تک دردمندانہ کہ کسی افسانے میں عورت کا کردار داخل ہوتے ہی کہانی کار کی آنکھوں سے جیسے آنسو چھلکنے لگتے ہیں، اور یہیں بڑی مشکل پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ بیدی بنیادی طور پہ عورت کے اسی روایتی کردار پر یقین رکھتے ہیں جو صدیوں سے ہمارے معاشرے میں رائج ہے جس نے عورت کو طوائف، داسی کنیز، ویشیا بنایا ہے۔ بیوی بن جانے کے باوجود بھی اس کی سطح اور اس سے سلوک اسی سے قریب تر ہوتا ہے جو مذکورہ عورتوں کے لئے ہے۔ اسے مرد کی نفسانی خواہشات کی تکمیل، اس کے بچوں کی پیدائش پرورش اور اس سے متعلقہ تمام افراد کی خدمت کرنا ہے۔ اس کے عوض مرد اسے کھانا، کپڑے اور حسب منشا رہائش مہیا کرتا ہے۔" (۵)

پدر سری نظام کے خلاف پہلی مزاحمتی تانیثی صدا افسانہ نگار ڈاکٹر رشید جہاں کی ہے جنھوں نے اپنا افسانہ " دلی کی سیر " لکھ کر پدر سری اقدار کے خلاف احتجاج ریکارڈ کرایا۔ پھر عصمت چغتائی نے اپنی منفرد احتجاجی طرز کے ذریعے پدر سری سماج پر سوال اٹھائے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں کہ " عصمت چغتائی، خدیجہ مستور اور واجدہ تبسم کی گونجتی زور دار کہانیاں رشید جہاں کی معتدل بے باکی اور سنبھلی ہوئی جرات اظہار کے بطن سے پھوٹی ہیں۔"(۶)

اردو ادب میں عورت سے وابستہ روائتی، رومانوی اور مثالی تصورات کو توڑنے میں ایک اہم نام عصمت چغتائی کا بھی ہے۔ عصمت نے اپنے افسانوں میں عورت کو ایک دیومالائی یا مقدس ہستی کے بجائے ایک حقیقی اور زندہ

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09
ماخذ تحقیقی مجلہ

انسان کے طور پر پیش کیا اور اس کی شخصیت کو پدر سری نظام کے باندھے ہوئے طلسم سے آزاد کیا۔ سعادت حسن منٹو کی طرح عصمت کے افسانوں پر بھی "جنس زدہ" ہونے کا الزام لگایا جاتا رہا لیکن در حقیقت ان کی تخلیقی جستجو کا بنیادی محور ہی یہی تھا کہ عورت کو محض ایک جنس کے طور پر دیکھنے کی بجائے اس کو ایک انسانی حیثیت دی جائے۔ اس بابت تنویر انجم لکھتی ہیں:

" عصمت کو جنس زدہ افسانہ نگار کہتے ہیں لیکن عصمت اور منٹو کا بنیادی سروکار عورت کو بطور جنسی معروض کے مٹا کر اسے اس کی انسانی شخصیت عطا کرنا ہے ۔عصمت کا مقصد عورت کے لیے اس جنسیت کی تلاش ہے جس میں اس کی انسانی حیثیت کا اثبات ہوتا ہو اور جنسی شناخت ہر عورت کے لیے اس کی انسانی شناخت کا ایک بہت اہم جزو ہے۔ عصمت نے اپنے افسانوں کے ذریعے یہ بھی دکھایا ہے کہ معاشرہ کبھی غیر جنسی نہیں ہوتا اور جہاں کہیں اس منافقت کو روا رکھا جاتا ہے اور اس طرح عورت کی جنسی ضرورت اور جنسی شناخت کو مسخ کیا جاتا ہے وہاں عورت اپنی پوشیدہ قوت سے اپنی سیکشوالٹی کے اثبات کے لیے راہیں ڈھونڈ نکالتی ہے۔ "لحاف" کی بیگم جان "دو ہاتھ" کی گوری "چھوٹی آپا" کی چھوٹی آپا اور بہت سے دوسرے کردار ہیں جو اپنی جنسی شناخت سے محرومی کو قبول نہیں کرتے۔ ایک پدر سری معاشرے میں جہاں ظاہری طور پر جنس کو پدر سری خاندان کے ماتحت کر دیا گیا ہے یہ تمام کردار پدر سری خاندان کے ادارے کے وجود کو ہی چیلنج کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خاندان کا یہ ادارہ جو پدر سری معاشرے کی عمارت کی بنیاد ہے دراصل منافقت سے کھوکھلا ہو کر کمزور ہو چکا ہے اور اسے ایک نئے نظام میں نئے سرے سے تشکیل دیے جانے کی ضرورت ہے، جہاں جنس ایک معروض نہ ہو۔"[۷]

عصمت کے بعد بیش تر افسانہ نگار جیسے کہ قرۃ العین حیدر، صالحہ عابد حسین ، جیلانی بانو ، سجاد ظہیر، آمنہ ابوالحسن اور ممتاز شیریں کی تخلیقات پر تانیثی افکار کی چھاپ نظر آتی ہے۔

اردو افسانے کے بعد صنف ناول میں بھی تانیثی رجحان نظر آتا ہے۔ اردو ناول نگاروں نے پدر سری نظام کے پروردہ بیانیے کے تحت عورت کو ادب میں دوسرے درجے کی مخلوق اور مرد کی محکوم کے طور پر پیش کیا ہے۔ ۱۹۴۷ تک کی اردو ناول نگاری میں مرد ناول نگاروں نے عورت کے سٹیریو ٹائپ کردار پیش کیے ہیں جن میں عورت

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09
ماخذ تحقیقی مجلہ

کا وجود بحیثیت انسان کہیں دکھائی نہیں دیتا، اسے مختلف حیثیتوں مثلاً طوائف، محبوبہ، بیوی، ساس، بہو، غرضیکہ ماں کے کردار میں بھی انسان کی بجائے شے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس حوالے سے بادشاہ منیر بخاری رقم طراز ہیں:

" عورت بہت ساری حیثیتوں میں معاشرے میں زندہ ہے لیکن بحیثیت انسان کے وہ ایک الگ تشخص بھی رکھتی ہے اس تشخص کو ہمارے ناول نگاروں نے ۱۹۴۷ء تک بہت کم دیکھا اگر دیکھا بھی تو بہت جلد اسے کسی سماجی رشتے کے ساتھ نتھی کرنے کی غلطی کر بیٹھے۔ اردو ناول کی ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک عورتوں کو ناول نگاروں نے تعلیم یافتہ اور پھوہڑ، کمزور مخلوق، پردے کے مسائل کے تناظر و بغیر مرضی اور بے جوڑ شادی کے موضوع میں مغربی تہذیب کی تقلید کے نقصانات، بیوہ کی دوسری شادی، ایک سے زیادہ شادیوں کی مخالفت، گھر کی چار دیواری سے باہر عورت کے کردار پر تو ہزاروں صفحے سیاہ کر ڈالے لیکن عورت کے آزاد وجود اور عورت کے ذاتی تشخص، عورت کے بحیثیت انسان جذبات و احساسات یا بحیثیت انسان اس کی تصویر پیش کرنے کا حوصلہ کسی میں نہیں تھا۔ ہندوستانی معاشرے میں عورت کو ہمیشہ دوسرے درجہ کی مخلوق تصور کیا گیا۔"[۸]

اردو کے ابتدائی ناولوں میں کہیں کہیں تانیثیت نہیں بلکہ نسائی حسیت ملتی ہے کیونکہ ابتدائی ناول نگاروں نے عورت کے استحصال کو محض محسوس کیا اس لیے ان ناولوں میں اس استحصال سے اختلاف نہیں ملتا۔ ڈپٹی نذیر احمد، عبدالحلیم شرر، رتن ناتھ سرشار، منشی پریم چند، مرزا ہادی رسوا اور راشد الخیری جیسے ناول نگاروں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کو سلیقہ شعار، نیک سیرت بننے اور حصولِ تعلیم کی ترغیب دی۔ ان ناول نگاروں کی تخلیقات میں تانیثی شعور کے متعلق صغرا مہدی لکھتی ہیں:

> " ابتدا سے لے کر ۱۹۴۷ تک جو ناول لکھے گئے اور بہت لکھے گئے۔ مجموعی طور پر ان کا موضوع عورت کی سماجی حیثیت ہے اور زیادہ تر ناول لکھے ہی اس لئے گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان ناولوں نے عورت کی سماجی حالت کو بہتر بنانے میں نہایت اہم رول ادا کیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ عورتوں کی تعلیم اور آزادی کے لیے مصلحین قوم کی کوششیں کبھی اتنی کامیاب نہ ہوتیں اگر یہ مقبول ناولیں عورت کی حیثیت کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کرتیں۔ اگر ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک لکھے جانے والے تمام ناولوں کا مطالعہ کریں تو باآسانی ہندوستان میں عورت کی سماجی حیثیت کی روئیداد بیان کی جاسکتی ہے۔"[۹]

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09

ماخذ تحقیقی مجلہ

ان ناول نگاروں نے تاہم روائتی طرزِ فکر کو اپناتے ہوئے عورتوں کو محض کامیاب ازدواجی زندگی گزارنے کے اصول ہی سکھائے۔ ابتدائی خواتین ناول نگار مثلاًرشیدۃ النساء، صغری ہمایوں ،نذر سجاد حیدر اور محمدی بیگم وغیرہ بھی اسی روائتی طرز پر ہی عمل پیرا رہیں۔ تاہم عصمت چغتائی کے بیش تر ناولوں میں تانیثیت کا واضح اظہار ہے۔ عصمت چغتائی نے اس روائتی، پابند اور حبس ذدہ ماحول میں احتجاجی اور دبنگ انداز اپنایا۔ ان کے ناول "ٹیڑھی لکیر" کو اہم تانیثی ناول قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کا تخلیق کردہ کردار "دشمن" ایک لازوال نسوانی کردار ہے۔ عصمت چغتائی کے نسائی شعور کے حوالے سے تنویر انجم لکھتی ہیں:

> " عصمت چغتائی برصغیر میں اور خاص طور پر اردو والوں کے لیئے ادب کی تاریخ میں ایک بڑا نام ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنی تحریروں سے بلکہ اپنی شخصیت سے بھی عورت سے متعلق معاشرے میں موجود روایات اور تصورات کو توڑا۔ ان کے ذہن میں عورت کی معاشرے میں حیثیت اور کردار کے بارے میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ اپنے اطراف عورتوں کے زندگیوں کے مثبت و منفی پہلوان کو بالکل واضح طور پر نظر آتے تھے اور انہوں نے بہت آسانی سے اور بغیر کسی قدغن کو مانتے ہوئے بے شمار عورتوں کی زندگیوں کی عکاسی اپنے افسانوں اور ناولوں میں کی۔ انہیں مردوں کے بنائے ہوئے صدیوں پرانے تصورات کو توڑتے ہوئے یقیناً مشکلات پیش آئی ہوں گی مگر ہمیں ان کی تحریروں پر ان مشکلات کے کوئی اثرات نظر نہیں آتے۔ انہوں نے کئی ناول اور سو سے زیادہ افسانے لکھے اور ان کا ناول اور ہر افسانہ نسائی اور طبقاتی شعور کے کسی پہلو کو اجاگر کرتی ہوئی دستاویز ہے۔"(۱۰)

قرۃ العین حیدر نے نسبتاً قدرے نرم آواز میں پدر سری سماج کے روایتی اصولوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ عورت کی مجبوری، قسمت، اور عورتوں کے استحصال کو موضوع بناتے ہوئے انھوں نے اپنے ناولوں کی بنت کاری کی۔ " آگ کا دریا " ان کا ایسا شاہکار ناول ہے جو ہندوستان کی اڑھائی ہزار سالہ تہذیب کا عکاس ہونے کے علاوہ عورت کی سماجی حیثیت اور اس کے مقام و مرتبے کے تاریخی شعور کا بھی غماض ہے۔ رضیہ فصیح احمد اپنے ناولوں کے ذریعے عورت کے سماجی مقام و مرتبے کی حقیقی عکاسی کرتی ہیں۔ جمیلہ ہاشمی کی تخلیقات میں ان کا تانیثی شعور عورت کو باہمت اور خود اعتماد بنانے کا درس دیتا ہے۔ خدیجہ مستور اپنے ادب پاروں میں ایک مخصوص ماحول کی پروردہ خواتین کے مسائل اور ذہنی الجھنوں کو بڑی چابک دستی سے پیش کرتی ہیں اور انھیں متقی اور خود انحصار ہونے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09

ماخذ تحقیقی مجلہ

کی ترغیب دیتی ہیں۔ جیلانی بانو اپنی تخلیقات کی وساطت سے عورتوں پر روا رکھے ظلم و استبداد کی تصویر کشی کرتے ہوئے جاگیرداروں اور زمینداروں کے مظالم کو آشکار کرتی ہیں۔ اور اپنی تحریروں کے ذریعے بلواسطہ طور پر عورتوں کو بغاوت کی طرف مائل کرتی ہیں۔ ان خواتین لکھاریوں کے نسائی شعور کی بابت فاطمہ حسن لکھتی ہیں:

> " بیسویں صدی کے وسط میں خواتین ناول نگاروں نے وہ معرکہ انجام دیا کہ اردو ادب کی تاریخ ان کے ناول اور افسانوں کے حوالے کے بغیر لکھنا ممکن نہیں رہا۔ عصمت چغتائی کا ناول " ٹیڑھی لکیر اور قرۃ العین حیدر کا ناول " آگ کا دریا اردو کے اہم ترین فن پاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے پہلے بیگم نذر سجد حیدر اور بیگم جاب امتیاز علی تاج کی تحریریں پڑھنے والوں کی توجہ حاصل کر چکی ہیں۔ مگر عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کے ناولوں اور افسانوں نے قارئین اور ناقدین پر مطالعے کے نئے باب کھولے۔ عصمت چغتائی کا ناول ٹیڑھی لکیر اور افسانہ لحاف نسائی اظہار کی بہت واضح مثال ہے۔ ٹیڑھی لکیر میں عصمت چغتائی نے بہت جرات سے اس نسائی شعور کا اظہار کر دیا ہے جو اس قت تک نظر انداز ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح قرۃ العین حیدر کا ناول " آگ کا دریا ایک ایسا ناول ہے جو پوسٹ ماڈرن فیمنسٹ نقادوں کے مطابق جن میں ژولیا کرسٹیوا سر فہرست ہیں۔ عورت کے تصور وقت کی مثال پیش کرتا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ناولوں اور افسانوں میں نسائی شعور کا مکمل ادراک واظہار ملتا ہے اور کہیں کہیں بہت نمایاں ہو جاتا ہے۔ "اگلے جنم موہے بٹیانہ کیجیو اس کی مثال ہے۔"[۱۱]

اردو ڈرامے پر نظر دوڑائیں تو امانت لکھنوی کے ڈرامے " اندر سبھا" کو اردو ڈرامہ نگاری میں اولیت حاصل ہے۔ تانیثی اعتبار سے دیکھا جائے تو"اندر سبھا" میں راجا اندر کا دربار مختلف خوبصورت پریوں کی آماجگاہ ہے جہاں وہ گیت گاتی اور رقص کرتے ہوئے اپنے دل کا احوال بیان کرتی نظر آتی ہیں۔ ان گیتوں میں ہندی سماج کی روایات کے گہرے نقوش ملتے ہیں جہاں پر عورت کی زبانی اظہار عشق کرائے جانے کے سبب جذبات کی نرمی و نزاکت کا احساس تو ہوتا ہے لیکن مرد کی برتری اور عورت کی کم تری کا احساس شدید تر ہوتا ہے۔ راجہ اندر کی نگاہ التفات کو ترستی ہوئی اندر سبھا کی ان پریوں کے حیثیت ایک ذرے سے بھی کم ہوتی ہے۔ شیخ پیر بخش کانپوری نے بھی اندر سبھا ہی کی طرز پر ایک ناٹک "ناگر سبھا" لکھا۔ تانیثی اعتبار سے دیکھا جائے تو آغا حشر کے ڈرامے "رستم و

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09

ماخذ تحقیقی مجلہ

سہراب"میں اس کی جھلک ملتی ہے۔ رستم و سہراب میں آغا حشر کا تخلیق کیا گیا کردار "تہمینہ " تانیثی شعور کا حامل ہے۔ تہمینہ جس طرح معاشرتی روایات سے بغاوت کر کے مخالف ملک کے بہادر انسان رستم سے شادی کرتی ہے اور پھر رستم کی غیر موجودگی میں اپنے بیٹے سہراب کی تنہا پرورش کرتی ہے ۔ سہراب کو جو ہار پہناتی ہے وہ رستم کی نشانی ہے ۔ اور جب میدانِ جنگ میں باپ بیٹا دست و گریباں ہوتے ہیں تو سہراب اپنے باپ پر حملہ کرنے سے کتراتے ہوئے اس سے منتیں کرتا ہے کہ ایک بار اُس کی بات سُنی جائے لیکن رستم اس کو سہراب کی بزدلی گردانتے ہوئے اسے مارنے پر تل جاتا ہے۔ اور جب رستم کے ہاتھوں سہراب کا قتل ہو جاتا ہے تب تہمینہ کے دیے ہوئے ہار کو دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے مگر بے سود۔ اردو ڈرامہ نگاری میں سید امتیاز علی تاج کا ڈرامہ "انار کلی" ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوا۔ انار کلی ایک بادشاہ اور کنیز کی روایتی کہانی ہے۔ اس ڈرامے کے نسوانی کردار خیر و شر کی داخلی کشمکش اور حسد و رقابت کا شکار ہیں۔ کنیز انار کلی شہزادے سلیم پر فریفتہ ہے۔ اکبر بادشاہ کنیز کی اس گستاخی کو اپنی سلطنت کی جاہ و حشمت کے خلاف سمجھتا ہے اور اسے دیوار میں زندہ چنوا دیتا ہے، جب کہ شہزادہ سلیم اسی گستاخی کے باوجود معاف کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح "قرطبہ کا قاضی " ماں کی بے بسی اور قاضی کے انصاف کی کشمکش کی کہانی ہے۔ عصمت چغتائی اپنی ڈرامہ نگاری کے ذریعے متوسط طبقے کی خواتین کی نفسیات اور ذہنی الجھنوں کی گرہ کشائی کرتی ہیں ان کا ڈرامہ "ڈھیٹ "شادی کے بعد شوہر اور سسرالی رویوں کے تاریک پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے۔ اپنے ڈرامے "دھانی بانکیں "میں ہندوستانی رسوم و رواج کی عکاسی کرتے ہوئے منہارن کی زبانی فسادات کی تباہی کا نقشہ کھینچتے ہوئے جن مظالم کی داستان سناتی ہیں ان کا آسان ہدف بھی عورت ذات ہی ہے اقتباس ملاحظہ ہو:

> " منہارن: (دبی ہوئی آواز سے) ہاں، ذرا باہر جا کر دیکھو تو سارا شہر جانو مرگھٹ بنا پڑا ہے، گلیاں پڑی بھائیں بھائیں کر رہی ہیں۔ پڑوسن: ہا، کیا شوبھا تھی شہر کی سب لٹ گئی، منہارن: (پڑوسن سے) ارے جب بھرے پورے گھر لٹ گئے، سہاگنوں کی مانگیں اُجڑ گئیں، ماؤں کی گودیں خالی ہو گئیں تو پھر کیا رہ گیا۔ لکشمی: (پھر لرزنے لگتی ہے) منہارن جانو شہر میں ہیضہ کی طاعون پھیلی ہے، جس گھر سے سنو بین کی پکار آ رہی ہے۔۔۔ منہارن: اری رہنے بھی دے بہنیا۔ یہ لڑائی ہے؟ مردوں کی لڑائی اسی کو کہتے ہیں، ارے لڑنا ہے تو مردانگی سے خم ٹھوک کر میدان میں جا کے لڑو، اپنی بہادری کے جوہر دکھاؤ، یہ کیا کہ پاگل بھیڑیوں کی طرح نہتے، بے کس عورتوں بچوں پر ٹوٹ پڑے ناری بوا، یہ لڑائی مردوں کی تو نہیں۔"(۱۲)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09
ماخذ تحقیقی مجلہ

راجندر سنگھ بیدی ڈرامہ ” بے جان چیزیں " میں پدر سری سماج میں حاکمیت کے غرور میں مبتلا مرد کی کیفیات بیان کرتے ہیں، جو عورت کو انسان سمجھنے سے عاری ہے۔ جہاں عورت کی عزت نفس کی دھجیاں بکھیرنا مرد کی شان کی علامت ہے لیکن اس کا ختمی نتیجہ عورت کی جانب سے بغاوت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اشفاق احمد تانیثیت کے حامی تو ہیں مگر وہ مرد کی حاکمیت کے قائل ہیں یہی سبب ہے کہ وہ مرد اساس معاشرے کی حمایت میں کوئی نہ کوئی عذر تراش لیتے ہیں۔ اپنے ڈرامہ "ماما سیمی" میں وہ شوہر کے متشددانہ رویے کی نفسیاتی توجیہہ تراش کر اس کے عورت پر ظلم کرنے کو بھی مرد کی مظلومیت ہی کی شکل قرار دیتے ہیں۔ اشفاق احمد کی ڈرامہ نگاری کو تانیثی تنقیدی اعتبار سے پرکھتے ہوئے نیلم حسین ان کی مسخ تراشیدہ بری عورت / اچھی عورت کے متعلق لکھتی ہیں:

"عورت اور مرد کے لیے دوہرے ظالمانہ معیار قائم کرنا پدر سری نظام کا خاصہ ہے۔ ہم کل بھی اس میں رہ رہے تھے اور آج بھی اسی میں رہ رہے ہیں۔ عورت کی اس مسخ تصویر میں اشفاق احمد نے مزید زہر بھر دیا۔ بہت زیادہ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ وہ نہایت ہنر مند ادیب تھے اس لیے یہ زہر بہت چالاکی سے بھرا گیا ہے۔ آغاز ہی میں مجھے ان کا ایک ڈرامہ یاد آ رہا ہے۔ دیکھئے ہمارے روایتی انداز میں اچھی عورت کو ہمیشہ قربانی کی پتلی بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اشفاق احمد نے ایک ڈرامے میں کلیشے کو بالکل الٹ کر پیش کیا۔ انہوں نے ایک عورت کو دکھایا جو اتنی بیمار ہے کہ بستر سے لگ گئی ہے۔ وہ خود کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اس کا شوہر دن رات اس کی خدمت کرتا ہے۔ اسے کھانا کھلاتا ہے، دوا پلاتا ہے، شوہر نے اپنے آپ کو بالکل قربان کر دیا ہے۔ وہ اسے اپنے کندھوں پر بٹھا کر حج کرنے لے جاتا ہے۔ یہ ڈرامہ اتنی شدید کھٹن سے بھرا ہوا تھا دیکھنے والے اس مرد سے بہت ہمدردی محسوس کریں۔ لیکن کوئی بھی سمجھ دار عورت دیکھ سکتی تھی کہ اشفاق صاحب کا دماغ کسی طرح کام کر رہا ہے۔ اس ڈرامے کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ مصنف کے لیے صرف وہی عورت غیر خطرناک ہے جو بالکل اپاہج ہے اور بستر سے لگ گئی ہے۔ یہ ڈرامہ در حقیقت اس بات پر زور دے رہا تھا کہ کوئی شوہر صحت مند بیوی کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ انہوں نے شوہر اور بیوی کی روایتی ذمہ داری یا خدمت کو جس طرح الٹا کر کے پیش کیا تھا اس کا پیغام یہی تھا کہ نارمل حالات میں خود کو قربان کرنے کی ذمہ داری عورت کی ہے۔ اس راستے کو اس وقت

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09

ہی بدلا جا سکتا ہے جب کہ بیوی اپاہج ہو جائے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ وہ عورت کے اس رول کو مذہبی رنگ بھی دیتے تھے۔ شوہر بیوی سے یہ کہتا ہے کہ میں نے تمہارے لیے سب کچھ قربان کر دیا سوائے خوشبو کے، اور وہ اس لیے کیونکہ خوشبو ہمارے رسول کو بھی پسند تھی۔ اسی طرح کا ایک عجیب مگر چالاک ذہن اشفاق احمد کا تھا۔"(۱۳)

اُردو ادب کی مقبولِ عام صنف شاعری میں خواتین کا تصور کس طرح کا پیش کیا گیا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے، اور اس کے جیتے جاگتے وجود کو کن کن استعارات و تشبیہات کے پیرائے میں لپیٹ کر اسے ایک گڑیا کی صورت میں جیسے پیش کیا گیا ہے اس حوالے سے فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں:

> " عورت اُردو کی قدیم و جدید شاعری میں بھی موجود ہے۔ لیکن اس سے عشق ہجر، یا وصل (جو ظاہر ہے ہمیشہ مجازی ہے، یہاں حقیقت تک پہنچنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے !) اس کے جسم کے پُر از تشبیہات بیان کے سوا کسی دوسری سطح پر نہیں ملتا۔ یقینا یہ تمام تشبیہات ، استعارے، کنائے، معاملہ بندیاں، مرد قارئین کے لیے ایروٹک بھی ہیں اور ان کی جمالیاتی خوبیاں بھی۔ اس کے باوجود کیا یہ اس قدر حیرت کا موجب ہے کہ عورت انھیں پڑھتے پڑھتے اکتا جائے اور محسوس کرے کہ اس کے وجود کو ہی محض چند چیزوں تک گھٹایا جا رہا ہے؟ یہ انار، ناشپاتیاں، کنول، متعدد قسم کے پھل پھول اور سبزیاں جن پر تقریباً تمام شعرا حضرات نے حتی المقدور طبع آزمائی کی ہے، کیا کسی گڑیا کے بارے میں ہیں جس کے اندر روئی بھری ہوئی ہے؟" (۱۴)

اردو تاریخ شاعرات کے ذکر سے خالی نہیں تاہم یہ شاعرات کلام کے باوجود مکالمے سے محروم رہیں۔ تانیثی اعتبار سے یہ کہنا بے جا نہیں کہ اُردو شاعری میں بھی اگرچہ خواتین کی شمولیت ابتدا ہی سے رہی لیکن پدر سری سماج میں مردوں نے خواتین کو وہ موقع ہی فراہم نہ ہونے دیا کہ وہ شاعرہ کے طور پر کھل کر سامنے آتیں۔ اگرچہ انیسویں صدی میں خواتین شعراء نے متعدد تذکرے رقم کئے لیکن عمدہ شاعرہ کو بھی کبھی طوائف اور کبھی متشاعر کہہ کر صرفِ نظر کیا گیا۔ اس کی شاعرانہ صلاحیتوں کو یہ کہہ کر بھی رد کیا گیا کہ وہ مردوں کی خوشہ چین ہے۔ اس بابت فاطمہ حسن لکھتی ہیں' تاریخ اردو ادب کا جائزہ لیتے ہوئے یہ تلخ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ مورخین نے شاعرات کو دانستہ نظر انداز کیا ہے۔ یہ میں اس لیے لکھ رہی ہوں کہ ایسا نہیں تھا کہ کسی عہد میں شاعرات

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09

ماخذ تحقیقی مجلہ

موجود نہیں تھیں یا اُن کا ہونا بالکل معدوم تھا۔ شاعرات کے تذکروں اور رسائل میں اُن کی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔ ۱۹۴۰ء میں شائع ہونے والی جمیل احمد کی کتاب "تذکرہ شاعرات" میں ایسی دو سو سے زائد خواتین کا ذکر ہے جن کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ وہ عفت مآب تھیں، اُس بازار سے نہیں تھیں۔"(۱۵)

انیسویں صدی کے آخر تک خواتین شعرء کو ایسے ہی غیر منصفانہ ادبی رویے کا سامنا رہا۔ قدیم خواتین شعراء میں مہ لقا چندآ جو پہلی صاحبِ دیوان شاعرہ بھی ہیں کے علاوہ منی بائی حجاب، بیگم شیریں، نواب شاہ جہاں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اپنے نسائی جذبات کو شعری قالب میں ڈھالنے والی قدیم شاعرات میں شہزادی زیب النساء بیگم مخفیؔ، بسم اللہ، بیگم، جینا بیگم، تصویر، قادریؔ، حیاؔ، جعفریؔ، بی بیؔ، زہرہ، خرمانؔ، اخترؔ، حجابؔ، امراؤؔ، اشکؔ، اور نازؔ وغیرہ شامل ہیں۔ بیسویں صدی میں جدید تحریکوں کی بدولت خواتین پدر سری سماج کی بے بنیاد جکڑ بندیوں کو توڑ کر آگے بڑھیں اور خواتین شعراء کے کارواں میں اضافہ ہوتا گیا۔ تانیثی اعتبار سے اپنے لہجے کی بے باکی اور صاف گوئی کے باعث جدید اردو شاعری میں قابلِ ذکر نام اداؔ جعفری ، پروینؔ شاکر، کشورؔ ناہید، فہمیدہ ریاض ، سارا شگفتہ، شاہین مفتی، نوشی گیلانی، عطیہ داؤد، اسماء نبیل، نسرین انجم بھٹی، عشرت آفرین، زہرہ نگاہ، شاہدہ حسن وغیرہ شامل ہیں۔ ان شاعرات نے بڑی بے باکی سے پدر سری سماج پر تنقید کی اور ان کی شاعری میں تانیثی شعور نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں شبنم شکیل لکھتی ہیں:

> " ادا جعفری زہرا نگاہ کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض نے مرد کے اس استحصالی معاشرے میں جرات اظہار کی اساس رکھی۔ ان کا لہجہ بے باک اور انداز پر شکوہ تھا۔ بلکہ پروین شاکر نے تو یہ تک کہا تھا کہ " میرے راستے کے کانٹے انہی شاعرات نے پہلے چن لیے تھے ہم تو یہ کہیں گے کہ ان شاعرات سے پہلے بھی کئی اور شاعرات نے بھی معاشرے میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ گو سر سید کی تحریک نے عورت کو اس کا صحیح منصب دلانے میں خاصہ کردار ادا کیا تھا لیکن ترقی پسند تحریک کے ذریعے تو ایک بہت بڑی تعداد میں خواتین قلم کاروں کو اپنی تخلیقی صلاحیتیں اجاگر کرنے اور خود کو تسلیم کروانے کے مواقع ملے۔ اس کی بدولت ہماری شاعرات میں کھل کر بات کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ چنانچہ گذشتہ نصف صدی میں متعدد ایسی شاعرات آئیں جنھوں نے اپنے تخلیقی وژن سے زندگی معاشرہ اور خود اپنی ذات کو نسوانی زاویہ نگاہ سے پیش کیا۔ یہاں غزل کے پیرائے میں بات کرنے کے حوالے سے شبنم

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09
ماخذ تحقیقی مجلہ

شکیل اور پروین شاکر نے شاعری میں احساسِ جمال کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اگرچہ ترقی پسند تحریک نے بھی عورت کی جرات اظہار کو مہمیز کیا تھا مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود ان کے اندر ایک بڑا پوٹینشل موجود تھا۔" (۱۶)

اردو ادب میں عورت کی بازیافت محض ایک ادبی رجحان نہیں بلکہ ایک فکری جدوجہد اور نظریاتی تبدیلی کا ارتقائی سفر ہے۔ تانیثی تنقید نے اردو کے ابتدائی متون میں نہ صرف ان روایتی بیانیوں کو چیلنج کیا جن میں عورت کی شناخت کو محدود کیا گیا بلکہ یہ ان روایتی بیانیوں کی نئی قرات، تعبیر اور تشکیل کی طرف بھی ایک قدم ہے جس کا تسلسل مستقبل میں مزید تحقیق و تنقید کا متقاضی ہے۔

حوالہ جات

1. Simone De Beauvoir. The Second Sex, Lowe and Brydon Printers Ltd, London, 1963, P.20

۲۔ سعدیہ خلیل، عورت مرد ناول نگار کی نظر میں، مشمولہ ادب کی نسائی ردِ تشکیل، مرتبہ فہمیدہ ریاض، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۶، ص:۱۵۰

۳۔ فہمیدہ ریاض، ادب کی نسائی ردِ تشکیل، ایضاً، ص:۱۰، ۹

۴۔ فاطمہ حسن، کچھ نسائی شعور کے بارے میں مشمولہ اردو شاعرات اور نسائی شعور، مرتبہ فاطمہ حسن، رنگِ ادب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۲۱، ص:۱۸

۵۔ فاطمہ حسن، بیدی کی کہانیوں میں عورت: پرش اور پراکرتی، مشمولہ ادب کی نسائی ردِ تشکیل، ایضاً، ص:۶۶

۶۔ انوار احمد، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۰، ص:۸۸

۷۔ تنویر انجم، عصمت چغتائی کا نسائی شعور مشمولہ فیمنزم اور ہم، مدیر فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵، ص ۱۲۱

۸۔ بادشاہ منیر بخاری، اردو ادب میں عورت کا تصور مرد کی نظر میں، مشمولہ ادب کی نسائی ردِ تشکیل، ایضاً، ص:۱۴۲

۹۔ صغرا مہدی، اردو ناول میں عورت کی سماجی حیثیت مشمولہ فیمنزم اور ہم، مدیر فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵، ص:۵۸

۱۰۔ تنویر انجم، عصمت چغتائی کا نسائی شعور، مشمولہ فیمنزم اور ہم، ایضاً، ص:۱۱۵

۱۱۔ فاطمہ حسن، گزشتہ صدی سے عہدِ حاضر تک اردو ادب میں نسائی شعور، مشمولہ فیمنزم اور ہم، ایضاً، ص:۱۰۲

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-09
ماخذ تحقیقی مجلّہ

۱۲۔ عصمت چغتائی، دھانی بانکیں، کتب پبلشرز لمیٹیڈ، ۱۹۴۷، ص:۴۲،۴۱

۱۳۔ نیلم حسین، ٹی وی ڈرامے اور اشفاق احمد، مشمولہ نسائی ادب کی رد تشکیل، ایضاً، ص:۲۱،۱۲۰

۱۴۔ فہمیدہ ریاض، دفتر امکاں، مشمولہ خاموشی کی آواز، مدیر فاطمہ حسن، آصف فرخی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۲۰۱۸، ص:۳۴

۱۵۔ فاطمہ حسن، کچھ نسائی شعور کے بارے میں، ایضاً، ص:۳۱

۱۶۔ شبنم شکیل، خواتین کی شاعری میں عورتوں کے مسائل کی تصویر کشی، وزارتِ ترقی خواتین، حکومتِ پاکستان، ۲۰۰۵، ص:۹۱